تدریسِ اُردو کے لیے رسم الخط کی تشکیلِ نو

محمد سلیمان اطہر *
ڈاکٹر انوار احمد **

Abstract:

This article basically relates around the main points of discussion of among educationist of Pakistan, zealous to devise a blend of Naskh and Nastaleeq for as model script of Urdu language.

M. Suleman Athar has reproduced this article from his Ph.D. thesis which has been recently submitted to BZU, Multan for evaluation his guide is Dr. Anwaar Ahmad.

رسم الخط تحریری علامتوں کے اس نظام کو کہتے ہیں جس میں ہر علامت زبان کی کسی اکائی کی نمائندہ ہوتی ہے۔[1] رسم الخط کی یہ تحریری علامتیں نہ صرف کسی زبان کے صوتیوں اور الفاظ کی نمائندگی کرتی ہیں بلکہ اُس کی ثقافت اور تہذیب وتمدن کی بھی آئینہ دار ہیں۔ گویا رسم الخط بول چال کی زبان کو علامتی روپ دیتا ہے۔ رسم الخط کی یہ علامتیں بامعنی ہوتی ہیں جو الگ الگ محلِ وقوع میں مختلف معنی کی حامل ہوتی ہیں بعض دفعہ رسم الخط کی ایک ہی علامت کو مختلف صوتی تلفظ سے ایک سے زیادہ انداز میں پڑھا جا سکتا ہے۔ ہر تلفظ اسے نئے معنی ومفہوم عطا کرتا ہے مثلاً ''میں'' دو الگ الگ تلفظ میں پڑھا جاتا ہے۔ ''میں'' کا پہلا تلفظ صیغہ واحد متکلّم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے میں ایک طالب علم ہوں (i am a student) جبکہ ''میں'' کا دوسرا تلفّظ حرفِ جار کے طور پر معنی دیتا ہے جیسے جگ میں دودھ ہے (There is milk in jug)۔

ہر زبان کے رسم الخط کا اُس کی تہذیب اور مابعد الطبیعیات سے گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ ہر رسم الخط کے

* پی ایچ۔ڈی۔سکالر شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
** اوساکا یونیورسٹی جاپان (نگرانِ مقالہ)

باقاعدہ معنی ہیں اور وہ معنی ہی اُسے زندگی بخشتے ہیں۔(۲) زبان کے بغیر کسی رسم الخط کی کوئی ذاتی حیثیت نہیں ہوتی۔ اُردو زبان کے معروف افسانہ نگار انتظار حسین رسم الخط کی ذاتی اہمیت کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسم الخط اپنی جگہ کوئی چیز نہیں ہے، وہ تہذیب کا حصّہ ہوتا ہے۔ یہ تہذیب، شکلوں کے ایک سلسلے کو جنم دیتی ہے یا پہلے سے موجود شکلوں کو ایک نئی معنویت دے دیتی ہے۔(۳) اُن کے خیال میں رسم الخط کسی قوم کے اجتماعی طرزِ نظر کا ترجمان ہوتا ہے۔ اُس کی جڑیں اُن تصویروں، شکلوں اور تشبیہوں میں ہوتی ہے جن سے ایک قوم کے تخیّل کا خمیر اُٹھتا ہے اور احساسات کی شکل بنتی ہے۔(۴) دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی زبان کا رسم الخط اچانک پیدا نہیں ہوا بلکہ صدیوں کے سفر میں ارتقا کی کئی منزلیں طے کر کے اُس نے موجودہ صورت اختیار کی ہے۔ مختلف زبانوں کے رسم الخط کی علامتوں اور لکھنے کی سمت کا ایک جیسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً ہندی، سنسکرت، بنگالی، اُڑیا، گجراتی، تامل، تلیگو، آسامی، مراٹھی اور دیگر بھارتی زبانیں دیوناگری رسم الخط میں بائیں سے دائیں طرف لکھی جاتی ہیں۔ اِسی طرح انگریزی، سکاچ، آئرش، فرانسیسی، اطالوی، جرمن، ڈچ، ہسپانوی، ملائی اور دیگر یورپی زبانیں بھی رومن رسم الخط میں معمولی ترامیم کے ساتھ بائیں سے دائیں طرف ہی لکھی جاتی ہیں جبکہ اُردو، عربی، فارسی، سرائیکی، سندھی، بلوچی، براہوی، پشتو، ہندکو، پنجابی اور دیگر پاکستانی زبانیں درج بالا زبانوں کے برعکس خطِ نسخ اور خطِ نستعلیق میں ہمیشہ دائیں سے بائیں طرف لکھی جاتی ہیں۔

فی الحال پاکستان میں اُردو زبان کے مختلف جرائد و رسائل خطِ نستعلیق ہی میں شائع ہو رہے ہیں تاہم بعض ادبی اور غیر ادبی اُردو تحریروں کے علاوہ سندھی، بلوچی، براہوی، پشتو، سرائیکی اور دیگر پاکستانی زبانوں میں عام اشتہارات، اعلامیے، پمفلٹ، سیاسی اور مذہبی جرائد و رسائل اور اخبارات خطِ نسخ میں شائع ہوتے ہیں۔ حتّٰی کہ بعض پاکستانی زبانوں مثلاً پشتو اور سندھی وغیرہ کے ٹی وی چینلوں کی سکرین پر خطِ نسخ میں تحریریں دکھائی جاتی ہیں۔ اس طرح پاکستان میں اُردو اور دیگر پاکستانی زبانوں کے لیے خطِ نسخ اور خطِ نستعلیق دونوں ہی ساتھ ساتھ مستعمل ہیں۔ اُردو زبان کے مشہور و معروف محقّق اور لغت نگار شان الحق حقّی کے بقول اردو رسم الخط میں نسخ اور نستعلیق دونوں شامل ہیں کہ یہ لازمی طور پر ایک ہیں۔(۵) اس لیے پاکستان کا تعلیم یافتہ طبقہ اور طالب علم اُردو رسم الخط کی اِن دونوں الگ الگ صورتوں سے آگاہ ہیں جن میں اُردو صوتیوں کی بنیادی اشکال ایک جیسی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ انھیں لکھنے کا انداز اور ظاہری بناوٹ مختلف ہے۔

اُردو لکھائی اور اُردو رسم الخط کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ بعض ایسے رسم الخط ہیں جن کی چھپائی اور ہاتھ کی لکھائی ایک جیسی نظر آتی ہے جیسے چینی، جاپانی، کوریائی، ہندی، سنسکرت اور دیوناگری رسم الخط میں لکھی جانے والی

دیگر زبانیں وغیرہ۔ان مذکورہ زبانوں کے رسم الخط کے برعکس، اُردو رسم الخط میں عام لکھائی اور کتابت کی لکھائی میں بہت زیادہ فرق ہے۔چھپی ہوئی اُردو تحریر ہاتھ سے لکھی گئی عبارت سے منفرد نظر آتی ہے۔پاکستانی طالب علموں کی اُردو لکھائی کو بہتر اور خوبصورت بنانے کا اہم دور صرف ابتدائی جماعتیں ہیں کیونکہ ان درجوں میں طالب علموں پر نصابی کتب کا بوجھ کم ہوتا ہے اور دیگر لسانی مہارتوں کے ساتھ ساتھ لکھنے کی مہارت کو بھی معقول وقت دیا جا سکتا ہے۔ابتدائی جماعتوں میں طالب علموں کی لکھائی میں خوشخطی یا بدخطی کی جو عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ اگلے درجوں میں کم وبیش ویسی ہی رہتی ہیں اور آہستہ آہستہ پختہ ہو کر فرد کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے۔عموماً بہت کم طالب علم درست اِملا کے ساتھ خوش نویس ہوتے ہیں تاہم جن بچوں کو قدرتاً یا اکتساباً خوش نویسی کی صلاحیت ودیعت ہو جاتی ہے، وہ میٹرک، اعلیٰ جماعتوں اور مقابلے کے امتحانات میں دیگر بچوں کے مقابلے میں اتنی ہی محنت سے کہیں زیادہ اچھا گریڈ حاصل کر سکتے ہیں اور عملی زندگی میں کسی ادارے یا محکمے میں نوکری کے دوران اپنے افسران اور رفقائے کار کے ہاں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔اُردو زبان کی تدریس میں لکھائی کی ضرورت واہمیت کو سمجھنے کے لیے زبان اور رسم الخط کے باہمی تعلق کو سمجھنا ضروری ہے جسے مختلف ماہرین نے اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد خاں زبان اور رسم الخط کے باہمی تعلق کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

> ''زبان اور رسم الخط کا تعلق جسم اور لباس کا ہے۔زبان کے جسم پر اس لباس کی موزونیت کا انحصار آوازوں اور حروف کے رشتوں پر ہے۔''(۶)

ڈاکٹر شوکت سبزواری کے نقطہ نظر سے:

> ''زبان روح ہے، تو رسم الخط اُس کا جسم ہے۔کسی زبان کو اُس کے رسم الخط سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔''(۷)

ڈاکٹر جمیل جالبی روزنامہ جنگ کے زیرِ اہتمام منعقدہ ایک مذاکرے میں کہتے ہیں کہ:

> ''زبان اور رسم الخط کا رشتہ وہی ہے جو رشتہ جسم کا روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ رسم الخط (کسی تکیہ پر چڑھا ہوا) کوئی غلاف نہیں ہے، یا پلنگ پر بچھی ہوئی چادر کی طرح نہیں ہے جسے بار بار بدل دیا جائے۔''(۸)

ڈاکٹر جمیل جالبی ہی اِسی بات کو یوں بھی بیان کرتے ہیں:

> ''ہر زبان کی اپنی روح ہوتی ہے جو اس کے رسم الخط سے ظاہر ہوتی ہے۔رسم الخط کی حیثیت تکیہ کے غلاف کی سی نہیں ہے کہ جب جی چاہا بدل دیا۔رسم الخط تو ہر زندہ زبان

کے جسم کی کھال کا درجہ رکھتا ہے، جیسے ہی اس کی کھال اتاری جائے گی، جسم و جان کا رشتہ بھی منقطع ہو جائے گا۔''(۹)

مذکورہ بالا روزنامہ جنگ کے زیر اہتمام منعقدہ مذاکرے میں شریک ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں کہ:

''رسم الخط، کسی زبان کے لباس کی طرح نہیں ہوتا۔ رسم الخط جسم میں جلد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر آدمی کے جسم کی جلد اتار لی جائے، تو پھر اُس کے زندہ رہنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔''(۱۰)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری ایک اور موقع پر زبان اور رسم الخط کے مابین اٹوٹ بندھن قائم کرتے ہوئے مزید ایک ایسی ہی مدلّل تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''زبان چھوٹی ہو یا بڑی، رسم الخط اس کا بنیادی جزو ہوتا ہے۔ نہ تو رسم الخط کو زبان سے جدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی زبان اپنے مخصوص رسم الخط کے بغیر بہت دنوں تک زندہ رہ سکتی ہے۔ ان کا باہم تعلق جسم و جان کی طرح ہے۔''(۱۱)

میاں بشیر احمد کے خیال میں:

''زبان اور اس کا رسم الخط ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ زبان نفس ہے تو رسم الخط اس کا جسم یا چہرہ ہے۔''(۱۲)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی نظر میں:

''زبان اور رسم الخط میں نہایت گہرا رشتہ ہے۔ زبان کو اگر جسم قرار دیں، تو رسم الخط کھال ہے۔ رسم الخط تبدیل کرنے کا مطلب گویا جسم کو نئی کھال میں داخل کرنا ہے۔''(۱۳)

پروفیسر آل احمد سرور زبان و رسم الخط کے باہمی تعلق کو ایک لوک کہاوت کے تناظر میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''زبان اور رسم الخط میں وہی رشتہ ہے جو گوشت اور ناخن میں ہوتا ہے۔''(۱۴)

سیّد مصطفیٰ علی بریلوی کے الفاظ میں:

''رسم الخط اور زبان میں جسم و جاں کا سا تعلق ہے۔ ہر زبان کا رسم الخط اس کے مزاج کے عین مطابق ہوتا ہے اور اس زبان کی خصوصیات و اسلوب کو ظاہر کرتا ہے۔''(۱۵)

نامور ماہرِ لغت شان الحق حقّی زبان اور رسم الخط کے آپس کے رشتے کو تفصیلاً بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''زبان اور رسم الخط کا تعلق روح اور قالب سے کم نہیں۔ یہ درست ہے کہ ابتدائی طور پر زبان صرف اصوات کا نام ہے اور اشکال ثانوی حیثیت رکھتی ہیں لیکن ایک حد کے

بعد، جو ابتدا سے بہت دور نہیں ہوتی، الفاظ کی تحریری شکلیں بھی اتنی ہی اہم ہو جاتی ہیں جتنی کہ ان کی آوازیں۔ زبان فی نفسہٖ، بے شک اصوات پر مشتمل ہے لیکن داخلی طور پر ہمارے ذہن کے لیے اشکال کی جو اہمیّت ہے، وہ اصوات کی نہیں۔ انسان آلات استعمال کرنے والی مخلوق ہے اور اشکال بھی دراصل انسان کے آلاتِ فکر ہیں۔''(۱۶)

ڈاکٹر نصیر احمد خاں کی رائے کے علاوہ ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر جمیل جالبی وغیرہ نے زبان کا رسم الخط سے تعلق قائم کرتے ہوئے قریباً قریباً ملتی جلتی رائے کا اظہار کیا ہے اور سب اِس بات پر متفق دکھائے دیتے ہیں کہ کسی زبان کا اُس کے رسم الخط سے بہت گہرا قدرتی بندھن ہے اور دونوں کو کسی صورت میں الگ نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے بہت گہری اور دوٹوک فیصلہ کرنے والی تشبیہ دی ہے کیونکہ اگر کسی جسم میں روح موجود ہے، تو اُس جسم کو ہم زندہ کہیں گے، ورنہ روح پرواز کرتے ہی وہ شخص مردہ قرار دے دیا جائے گا۔ بالکل ویسے ہیں زبان کو اُس کے مخصوص رسم الخط الگ کرنا اُسے مردہ زبانوں کے صف میں کھڑا کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ اُردو کو اس کے مخصوص مستعمل رسم الخط کے علاوہ دیوناگری یا رومن رسم الخط میں لکھنا اُردو زبان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے زبان اور رسم الخط کے باہمی رشتے کے حوالے سے جو اظہارِ خیال کیا ہے، وہ ڈاکٹر نصیر احمد خاں کے رائے پر بالواسطہ طور پر تنقید معلوم ہوتی ہے۔ دونوں اصحاب اس تنقید کے معاملے میں حق بجانب ہیں کیونکہ غلاف، لباس یا چادر ہر وقت، ہر جگہ اور ہر موقع پر تبدیل ہو سکتے ہیں جبکہ جسم سے روح، جلد یا کھال کو الگ کرنا گویا جسم کو مردہ بنانے کے مترادف ہے۔ شان الحق حقّی نے اپنی رائے میں ایک منفرد بات یہ کی ہے کہ انسان جب کسی زبان کی اشکال اور علامات کا عادی ہو جاتا ہے، تو نئی اشکال کو قبول کرنا اس کے لیے ممکن نہیں ہو سکتا۔ اُن کی یہ بات پرانی نسل کے لیے تو درست ہو سکتی ہے مگر نئی نسل کے لیے ہرگز درست نہیں کیونکہ اُنھیں بچپن میں جس بھی رسم الخط سے متعارف کرایا جاتا ہے، وہ عملی زندگی میں اُسی سے مانوس ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں جو بچے ابتدائی جماعت ہی سے انگریزی ذریعہ تعلیم کو اپناتے ہیں، وہ بڑے ہو کر اُردو رسم الخط کے مقابلے میں رومن رسم الخط کو آسان فہم اور مانوس قرار دیتے ہیں۔ سندھی ذریعہ تعلیم کے تحت پڑھنے والے طالب علم خطِ نسخ میں اُردو لکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس وقت پوری پاکستانی قوم اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو موبائل فون اور وائرلیس فون پر زیادہ تر رومن رسم الخط میں اُردو پیغامات ارسال کرنے میں مصروف ہے۔ موبائل فون اور وائرلیس فون وغیرہ کی طرح انٹرنیٹ کو استعمال کرنے والے حضرات بھی رومن رسم الخط ہی میں ایک دوسرے کو پیغامات ارسال کر رہے ہیں۔ وہ انگریزی، اُردو، پنجابی، سرائیکی سندھی، پشتو، بلوچی

زبانوں وغیرہ میں پیغام رسانی کے لیے اُردو رسم الخط کی بجائے رومن رسم الخط کو کیوں ترجیح دے رہے ہیں؟ پاکستانی اہلِ علم اور دانشوروں کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔ پاکستان میں اُردو زبان کے نفاذ کے داعی، علمبردار اور حکومتی ادارے سب کے سب اس سلسلے میں مکمل طور پر بے تعلق بیٹھے ہیں اور انھیں اِس بات کا ذرا احساس تک نہیں کہ کس طرح رومن رسم الخط غیر محسوس طریقے سے پاکستان کی نوجوان نسل میں پروان چڑھایا جا رہا ہے اور آنے والے وقتوں میں اِس کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں؟ اکیسویں صدی کے آغاز سے رومن رسم الخط کی ترویج و اشاعت کے خطرے کو نہ بھانپنے والے، اِسے نظر انداز کرنے والے پاکستانی ماہرِین لسانیات، دانشور اور سیاست دان حقیقت میں غفلت کا شکار ہے۔

ہمیں اس تاریخی حقیقت کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ دنیا کی کسی بھی زبان کا رسم الخط ایسا نہیں ہے کہ اُسے ہر لحاظ سے مکمل اور نقائص سے پاک کہا جا سکے۔ کیونکہ اہلِ زبان نے یہ رسم الخط اس وقت وضع کیا تھا جب وہ موجودہ تہذیب و تمدن اور ترقی سے کوسوں دور تھے اور انھیں اپنے رسم الخط کے جملہ عیوب و محاسن پر غور کرنے کا خیال بھی نہیں آ سکتا تھا۔ جب انھوں نے ترقی کی منزلیں طے کر لیں، تو انھیں معلوم ہوا کہ ان کا رسم الخط متعدد حیثیتوں سے ناقص ہے۔ (۱۷) اکیسوی صدی میں کمپیوٹر، انٹرنیٹ، موبائل فون، جدید آلاتِ موسیقی، آلاتِ طب، آلاتِ حرب، آلاتِ زراعت اور ایسی ہی دیگر سائنسی ایجادات اور اُن کے ساختی اجزاء نے پاکستانی عوام نے اتنی مقبولیت حاصل کر لی ہے کہ ان ایجادات اور ان کے ساختی حصّوں کے انگریزی نام، ایک معقول تعداد میں دخیل الفاظ کی حیثیت سے اُردو بول چال کا حصّہ بن چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نئے انگریزی دخیل الفاظ آہستہ آہستہ اُردو تحریروں میں بھی مستعمل ہو رہے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُردو زبان میں شامل عربی، فارسی اور انگریزی دخیل الفاظ کو خطِ نسخ میں لکھا جانا چاہیے؟ خطِ نستعلیق میں؟ یا دونوں کی خوبیاں اور خامیاں مدنظر رکھتے ہوئے اُردو کے لیے ایک ایسا تیسرا رسم الخط مرتّب کیا جانا چاہیے جس کی مدد سے بچے اور مبتدی اُردو عبارت کو آسانی سے پڑھ سکیں اور درست اِملا سے خوشخط اُردو لکھ سکیں۔ وہ رسم الخط خالصتاً اُردو زبان کا اپنا رسم الخط ہو۔ جدید دور اور مستقبل کے لسانی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اور طالب علموں کی لکھنے کی مہارتیں سکھانے کے لیے بنیادی لسانی ضروریات کے عین مطابق ہو؟ تاکہ طالب علمی کے دور میں ممتحن اور عملی زندگی میں عام افراد کو اُن کی اُردو تحریریں پڑھتے ہوئے کسی قسم کی قرأتی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ اُردو زبان کے جدید سائنسی رسم الخط کی ضرورت کی تائید میں پروفیسر سجاد مرزا لکھتے ہیں کہ

> ''اُردو کے رسم الخط کی بنیادی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ اس کے سیکھنے کے بعد عربی کے خطِ نسخ اور فارسی کے خطِ نستعلیق، دونوں پر آسانی سے عبور حاصل ہو سکے۔''(۱۸)

اِس رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ اُردو رسم الخط کی دونوں اشکال ''نسخ اور نستعلیق'' طالب علموں میں اُردو لکھائی کی اعلیٰ مہارتیں پیدا کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ دونوں ہی الگ الگ اور مفرد خصوصیات کے حامل ہیں اور تدریسی نقطہ نظر سے دونوں میں کچھ نقائص بھی ہو سکتے ہیں۔ جب بہت بڑی آبادی کو تعلیم دینے کا مسئلہ درپیش ہو تو رسم الخط ایسا ہونا چاہیے جو کارگر بھی ہو اور آسانی سے سیکھا بھی جا سکتا ہو۔ ایک کارگر اور معیاری اُردو رسم الخط میں یہ خوبیاں ہونی چاہیے کہ اس کے صوتیوں کی اشکال زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوں تاکہ نظر پڑتے ہی انھیں پہچانا جا سکے، ہر صوتیہ سیدھا سادہ ہو تاکہ آسانی سے لکھا جا سکے اور کسی لفظ کے تمام صوتیے بصری طور پر الگ الگ بالکل واضح ہوں۔ (۱۹) خطِ نسخ اور خطِ نستعلیق کی خوبیوں اور خامیوں کا جدید سائنسی اصولوں کی روشنی میں از سرِ نو جائزہ لیا جانا چاہیے۔ رسم الخط کی شکل کے تناظر میں یہ جائزہ کسی ایک لسانی خطے کے تعلیمی اداروں تک محدود نہ ہو، بلکہ اس کا دائرہ کار پاکستان کے تمام لسانی خطوں کے شہری و دیہاتی علاقوں میں قائم لڑکیوں اور لڑکوں سرکاری و نجی کے سکولوں تک وسیع ہونا چاہیے۔ اس جائزہ میں دیکھا جائے کہ ہر لسانی خطے کے طلبا و طالبات خطِ نسخ یا خطِ نستعلیق کے ذریعے پڑھنے کی مہارتیں سیکھنے اور خوشخط درست اُردو لکھنے میں کتنی آسانی محسوس کرتے ہیں نیز دونوں اشکال میں کون کون سی خامیاں ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ فردِ واحد کا کام نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ لسانی جائزہ چند دنوں میں سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ اگر پاکستان کی تمام جامعات میں ایم۔اے، ایم۔فِل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر تحقیق کے طالب علموں کو یہ فریضہ سونپ دیا جائے تو چند سالوں میں پاکستان کے کونے کونے سے حقائق و شواہد اکٹھے ہو سکتے ہیں جن کی روشنی میں اُردو رسم الخط کے معیاری روپ کا فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ ماضی میں اُردو رسم الخط کے حوالے سے مباحث کے کئی ادوار اور ابواب ہیں اُس کی مناسب شکل و صورت کیا ہونی چاہیے؟ پاکستانی طالب علموں کے لیے معیاری اُردو رسم الخط کا فیصلہ کرنے سے پہلے اُس کی دونوں صورتوں یعنی خطِ نسخ اور خطِ نستعلیق کے بارے میں مختلف ماہرین کے نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

ڈاکٹر محمد دین تاثیر پاکستانی طالب علموں کے لیے خطِ نسخ تجویز کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''رسم الخط: یہ نستعلیق کا جھگڑا ختم کیجیے۔ فوراً خطِ نسخ کو رائج کیجیے۔ بلوچی، سندھی، پشتو کا خط نسخ ہے۔ ایران نے نسخ اختیار کر لیا اور اِس سے آگے مراکش تک خطِ نسخ چلتا ہے۔ آپ کو کیا الجھن ہے۔ قرآنِ پاک نسخ میں لکھا جاتا ہے۔'' (۲۰)

سعودی عرب، ایران اور دیگر عرب ممالک میں خطِ نسخ رائج ہونے کی ایک معقول اور ٹھوس وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اہلِ فارس اور مختلف عرب اقوام اپنی دینی (قرآن، حدیث اور فقہ وغیرہ) اور دنیاوی تعلیم (آرٹس و سائنس مضامین) کو الگ الگ نہیں سمجھتے۔ رسم الخط کے حوالے سے پاکستان میں صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ دینی تعلیم خصوصاً آخری الہامی کتاب ''قرآن مجید'' خطِ نسخ میں پڑھنا اور حفظ کرنا سکھایا جاتا ہے جبکہ تعلیم اداروں اور ذرائع ابلاغ میں خطِ نستعلیق سے کام لیا جارہا ہے۔ ممتاز دانشور مختار زمن بھی اُردو زبان کے لیے خطِ نسخ کی حمایت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ:

> ''پاکستان میں وسیع پیمانے پر بولی جانے والی کل چار یا پانچ زبانوں میں عربی رسم الخط مشترک ہے۔ پاکستان کی سندھی زبان میں، عربی رسم الخط (خطِ نسخ) کو بعض اضافوں اور تبدیلیوں کے بعد اختیار کیا گیا ہے۔ اور اِسی میں سندھی نظم ونثر کے خزانے محفوظ ہیں۔ اُردو، پنجابی، پشتو، سندھی، سرائیکی وغیرہ میں چند اصلاحات کے بعد اِسی رسم الخط کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ رسم الخط کے اِس اشتراک سے اُردو کو پاکستان کی سرکاری زبان اور رابطہ کی زبان بنانے کا کام زیادہ آسان ہے۔ ۔۔۔۔ بچوں کے لیے اُردو میں خطِ نسخ کا استعمال زیادہ مفید رہے گا۔ نسخ سیکھ لینے کے بعد، وہ قرآن پڑھنے کے علاوہ دوسری زبانیں (مثلاً عربی، فارسی، پشتو، سندھی، بلوچی وغیرہ) بھی آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔''(۲۱)

مختار زمن ایک دوسری جگہ خطِ نسخ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ:

> ''حکومتِ پاکستان کو چاہیے کہ معیاری رسم الخط کے طور پر خطِ نسخ کو اپنائے۔ صرف یہی ایک خط سیکھ لینے سے بچہ قرآن پاک، اُردو اور اپنی علاقائی زبان پڑھنے کے قابل ہوسکتا ہے۔''(۲۲)

مختار زمن کے دونوں بیانات سے عیاں ہے کہ پاکستان کے استحکام اور قومی اتحاد و یگانگت کے لیے خطِ نستعلیق کی بجائے خطِ نسخ کا رائج کرنا زیادہ مفید ہے کیونکہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ دیگر اسلامی ممالک کی تقلید میں صرف ایک رسم الخط کے ذریعے پاکستان کی تمام آبادی کو خواندہ بنایا جاسکتا ہے کیونکہ جو شخص قرآنِ مجید کی قرأت کرسکتا ہے، اُس کے لیے خطِ نسخ میں لکھی گئی تحریروں، اُردو اخبارات اور جرائد و رسائل کا مطالعہ کرنا چنداں مشکل نہیں رہتا۔ اس طرح خطِ نسخ کی بدولت پاکستانی مرد و عورت راتوں رات اُردو زبان کے لیے خواندہ ہوسکتے ہیں۔ شاید اسی لیے سندھی قوم پرستوں نے اپنی سندھی زبان کے لیے عربی رسم الخط کو ترجیح دی۔ ان کی دور اندیش

نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ خواندگی کی شرح بڑھانے کے لیے اِس سے بہتر کوئی اور خط نہیں ہوسکتا۔ اگر چند لوگ یہ کہیں کہ سندھی رسم الخط قیام پاکستان سے قبل انگریز دور سے رائج ہے، تو اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ آج پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے تقریباً ساٹھ برس کا عرصہ ہو چکا ہے، اگر سندھی چاہتے، تو اِسے دورِ غلامی کی نشانی سمجھ کر مٹا دیتے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ بارھویں جماعت تک اِسی رسم الخط میں سندھی بچوں کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ صرف اُردو پڑھنے کے لیے سندھی بچوں کو خطِ نستعلیق سیکھنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے شمار املائی غلطیوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں پاکستانی زبانوں میں پنجابی، بلوچی، پشتو اور سرائیکی بھی خطِ نسخ میں لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔ پاکستان کے پڑوسی ملک بھارت میں اُردو زبان کی تدریس کو ان گنت انتظامی اور سرکاری مسائل کا سامنا ہے کیونکہ وہاں قومی اور علاقائی زبانوں کے لیے دیوناگری رسم الخط رائج ہے۔ ایسی صورتِ حال میں وہاں اُردو زبان کی تدریس میں خطِ نسخ کی افادیت اور کردار کو اجاگر کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ:

> ''آج ہندوستان کے کسی سکول یا کالج میں اُردو کی تعلیم کا باقاعدہ تو کیا بے قاعدہ انتظام بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی اُردو پڑھنا بھی چاہے تو اُردو نہیں پڑھ سکتا۔ آج مسلمانوں کی نئی نسلیں صرف قرآنی حروف کے سہارے اُردو پڑھ لیتی ہیں ورنہ اُردو اس سطح سے بھی کبھی کی اکھاڑ پھینکی جا چکی ہوتی۔''(۲۳)

بھارت کے معروف پروفیسر آل احمد سرور خطِ نسخ کے حامی نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ:

> ''عام چھپائی کے لیے نستعلیق کی بجائے نسخ کو اختیار کیا جائے، نستعلیق صرف ایڈیشنوں (طباعتوں) کے لیے استعمال ہو۔ سجاد مرزا کا بنیادی ٹائپ اختیار کیا جائے جس میں ہر حرف کی صرف دو شکلیں ہیں یعنی پوری شکل اور ادھوری شکل۔ ابتداء اور درمیان میں ادھوری اور آخر میں پوری شکل استعمال کی جاسکتی ہے۔ حروفِ ابجد کی ترتیب صوتی لحاظ سے رکھی جائے نہ کہ صورتی لحاظ سے۔''(۲۴)

پروفیسر آل احمد سرور کا خیال ہے کہ خطِ نسخ کی بدولت طالب علموں کو اُردو زبان لکھنے کی مہارتیں زیادہ بہتر انداز میں سکھائی جاسکتی ہیں۔ لکھائی میں خوشخطی اور درست اِملا کی عادات کو پروان چڑھانے کے لیے اِس سے زیادہ مؤثر کوئی اور رسم الخط نہیں ہوسکتا۔ تاہم خطِ نسخ میں اُردو زبان کے لسانی تقاضوں کے مطابق ترامیم کر کے اپنایا جانا چاہیے۔ وہ اُردو رسم الخط کے حوالے سے پروفیسر سجاد مرزا کے مجوزہ رسم الخط کی تائید کرتے ہوئے اُسے اپنانے کے حامی ہیں۔ پاکستان میں اُردو رسم الخط کے حوالے سے ڈاکٹر وحید قریشی پاکستانی ثقافت اور سالمیت کا رشتہ خطِ نسخ

سے جوڑتے ہوئے رائے دیتے ہیں کہ:

''نسخ رسم الخط مصر و ایران میں پہلے سے رائج ہے۔ ہماری مقامی بولیوں کا رسم الخط بھی نسخ ہے۔ اس لیے نسخ کا رواج مغربی پاکستان کی سالمیّت اور اسلامی ممالک سے اس کے تعلقات میں بھی معاون ہوگا۔ اس ذہنی ہم آہنگی سے پاکستان کی ثقافتی زندگی بہت کچھ حاصل کرسکتی ہے۔ ہماری مشکلات کا حل نسخ رسم الخط کی کسی ایک شکل میں مضمر ہے۔''(۲۵)

وہ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ:

''نسخ کو اختیار کرنے سے ایک سہولت اور بھی ہے۔ بلوچی، پشتو اور سندھی کا موجودہ رسم الخط نسخ ہے۔ پنجابی انیسویں صدی کے آخر تک نسخ رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ اس کے ابتدائی مطبوعہ نمونے بھی نسخ ہی میں پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں بنگالی زبان کے قدیم قلمی نسخے بھی اسی رسم الخط میں آج تک (۱۹۶۱ء) موجود ہیں۔ اس لیے نسخ رسم الخط کو رائج کرنے سے پاکستان کی سالمیّت کو بہت فائدہ پہنچے گا۔''(۲۶)

ڈاکٹر وحید قریشی درست کہتے ہیں کہ جب ایران، مصر اور دیگر اسلامی ممالک میں خطِ نسخ رائج ہے، تو اُن سے مضبوط روابط کو فروغ دینے کے لیے پاکستان میں بھی خطِ نسخ کا رائج ہونا ضروری ہے۔ آج سندھی، پشتو اور بلوچی بچے اپنے مادری زبان کو خطِ نسخ میں پڑھیں اور لکھیں جبکہ پاکستان کی قریباً نصف آبادی کے برابر پنجابی بچے خطِ نستعلیق میں لکھنا سیکھیں۔ ایک ہی ملک پاکستان میں دوہری تعلیمی حکمتِ عملی ملک کی سالمیّت، اتحاد اور یگانگت کے لیے ضرر رساں ہے۔ اگر بنگالی زبان بھی اُردو رسم الخط میں لکھی جاتی، تو وہ زبان کی بنیاد پر کبھی اپنے آپ کو ایک الگ قوم نہ سمجھ سکتے اور مشرقی پاکستان کے باشندوں کو ایک آزاد ملک بنگلہ دیش کے قیام کے لیے لسانی تحریک نہ مل سکتی۔ اُردو زبان کے رسم الخط کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں کہ:

''اُردو رسم الخط کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہماری ضرورتوں کا ساتھ دینے کے علاوہ وہ پاکستان، ایران، افغانستان، شام، اردن، عراق، مصر، سعودی عرب وغیرہ بیسیوں ایشیائی ملکوں سے ہمارے تہذیبی روابط کی بنیاد مضبوط کرنے کا کام دیتا ہے۔ لکھنے میں دوسرے خطوں کی نسبت ایک تہائی جگہ لیتا ہے اور اس میں وقت بھی نسبتاً کم صرف ہوتا ہے۔''(۲۷)

ایرانی، شامی، عراقی، مصری، عربی اور دیگر اسلامی ممالک کے طالب علم خطِ نستعلیق میں لکھی گئی تحریروں کو آسانی سے نہیں پڑھ سکتے کیونکہ وہ خطِ نسخ میں لکھتے پڑھتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ بالواسطہ طور پر ڈاکٹر گوپی چند

نارنگ بھی اُردو زبان کے لیے خطِ نسخ ہی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کسی زبان کے الفاظ شناخت کے لیے صرف نشانات کی حیثیت رکھتے ہیں، کوئی ان کے ہجے کر کے نہیں پڑھتا۔ لیکن یہ بات نہایت سنجیدگی سے غور کرنے کے لائق ہے کہ پاکستان میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کی مادری زبان اُردو نہیں۔ انھیں علمی لغت سے قطع نظر، معمولی الفاظ کا تلفّظ بھی رسم الخط کے ذریعے سیکھنا ہوگا۔[۲۸] اس کے لیے اُردو کے اِعرابی رسم الخط کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن خطِ نستعلیق میں اُردو صوتیوں کی ادھوری اشکال اتنی مختصر استعمال ہوتی ہیں کہ ہر صوتیے پر اعراب لگانا ممکن نہیں رہتا۔ اعراب کی کثرت سے نہ صرف اُردو لفظ کی ظاہری شکل مبہم ہوسکتی ہے بلکہ اس کی شناخت کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف عربی، فارسی اور خصوصاً انگریزی دخیل الفاظ کی وضاحت کے لیے اعراب کا ہونا اشد ضروری ہے۔ ایسی صورتِ حال میں پاکستانی طالب علموں کے لیے خطِ نستعلیق کا استعمال مفید اور مؤثر نظر نہیں آتا۔ اُردو قرأت اور لکھائی کے مسائل کا واحد حل خطِ نسخ کی کسی ترمیم شدہ صورت ہی میں پوشیدہ ہوسکتا ہے کیونکہ نسخ رسم الخط بہت آسان فہم ہے۔ اس میں بچوں کو ابتدائی سطح پر ہجے سکھانے میں سہولت رہتی ہے، بچے ہر لفظ کے صوتیوں کی الگ الگ پہچان کر سکتے ہیں، اعراب آسانی سے لگائے جاسکتے ہیں، عبارت سطر کے اوپر نیچے نہیں ہوتی اور لکھائی میں ایک قدرتی خوشخطی قائم رہتی ہے۔ علاوہ ازیں بچوں کو ہر اُردو صوتیے کی صرف ایک ہی ادھوری شکل سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں اُردو زبان وادب کی ترویج واشاعت کے لیے کوشاں مختلف سرکاری ونجی اداروں مثلاً مقتدرہ قومی زبان پاکستان اسلام آباد، مجلس ترقی ادب لاہور، مرکزی اُردو سائنس بورڈ لاہور اور انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی وغیرہ مختلف موضوعات پر علمی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی خطِ نسخ میں شائع کرتے رہے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر اشاعتی ادارے بھی خطِ نسخ کو استعمال کرتے رہے ہیں۔

گزشتہ کئی سال پہلے ایک مرتبہ پاکستانی سکولوں میں خطِ نسخ رائج کرنے کی کوشش کی گئی جو بعض ماہرین کے نزدیک کامیاب نہ ہوسکی کیونکہ اُردو زبان کے کثیر الاشاعتی اخبارات کے قارئین اور طالب علم عموماً خطِ نستعلیق سے مانوس ہیں۔ جب انھیں خطِ نسخ میں پڑھنا پڑا اور اِسی خط میں لکھنا پڑا، تو نتائج منفی قسم کے مرتب ہوئے کیونکہ نمونہ تقلید خطِ نستعلیق ہی سمجھا جاتا رہا۔ چنانچہ درسی کتب اگرچہ خطِ نسخ میں بھی چھپتی ہیں لیکن تحریر میں اسے اپنانے کی کوشش نہیں کی جاتی۔[۲۹] خطِ نسخ کی مخالفت کرنے والے ایسے ماہرین کے پاس پورے پاکستان کے مختلف لسانی خطوں کے سکولوں سے کوئی تحقیقی اعداد وشمار اور معلومات نہیں ہیں جن کی بنیاد پر وہ خطِ نسخ کو غیر مؤثر قرار دے سکتے۔ لہٰذا صرف چند لوگوں کی رائے حتمی نہیں ہوسکتی۔ جہاں تک عقلی دلائل کا تعلق ہے، تو بآوازِ بلند یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اگر دنیا کے کسی بھی ملک اور لسانی خطے سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص قرآن مجید کی قرأت کرسکتا ہے، تو وہ

''اِعرابی اُردو'' کی بھی قرأت کرسکتا ہے۔صرف یہی نہیں بلکہ اگر وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے،تو اُردو الفاظ کے گہرے مشاہدے کے بعد اُنھیں لکھ بھی سکتا ہے۔ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے بقول:

''کسی رسم الخط کا بنیادی مقصد سب سے پہلے اہلِ زبان بچوں کو تحریر سکھانا ہے نہ کہ تقریر۔اہلِ زبان کی ضرورتیں ملفوظی نہیں ہوتی بلکہ مکتوبی ہوتی ہیں۔''(۳۰)

جبکہ تمام پاکستانی اہلِ زبان نہیں ہیں۔ثانوی زبان اُردو کے لیے اُن کی ضروریات ملفوظی بھی ہیں اور مکتوبی بھی۔اُردو زبان کا بنیادی مقصد پاکستان کی تمام لسانی اکائیوں کے مابین ابلاغ اور باہمی رابطہ ہے۔لہٰذا اِس بحث سے کیا حاصل کہ کونسا خط نسبتاً خوبصورت ہے؟ ظاہری خوبصورتی سے قطع نظر، وہی رسم الخط حقیقت میں زیادہ خوبصورت ہے جو پاکستانی بچوں کو اُردو پڑھنے اور لکھنے کی مہارتیں سکھانے میں زیادہ سے زیادہ سہولت اور آسانی فراہم کرسکے اور لکھنے کی مہارتیں سکھاتے ہوئے تدریسی مسائل کا کم سے کم سامنا کرنا پڑے۔عموماً مشاہدہ کیا گیا ہے کہ درست اُردو لکھنے میں طالب علم کچھ مشکلات کا سامنا کرتے ہیں خصوصاً وہ طلبا جن کی مادری زبان اُردو نہیں ہوتی جبکہ پاکستان میں نوّے فی صدے زیادہ طالب علموں کی مادری زبان اُردو نہیں ہے۔چنانچہ ملکی سالمیّت، بقا، استحکام اور مختلف لسانی گروہوں کے مابین ہم آہنگی کی فضا پیدا کرنے اور اُردو زبان وادب کی مؤثر تدریس کے لیے کم ازکم مڈل سکول کی سطح تک بلا تامّل ایک ایسا ترمیم شدہ اُردو خطِ نسخ رائج کیا جانا چاہیے جو عربی خطِ نسخ اور خطِ نستعلیق کے مفید اور مشترک خواص کو یکجا کرکے ایجاد کیا گیا ہو جیسے کبھی اہلِ فارس نے خطِ نسخ اور خطِ تعلیق کو ملا کر خطِ نستعلیق ایجاد کیا تھا۔اس جدید اُردو رسم الخط میں زیادہ سے زیادہ تدریسی قباحتوں کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔میٹرک، انٹرمیڈیٹ اور جامعات کی سطح پر پاکستانی طالب علموں کو خطِ نستعلیق کی طرف راغب کیا جاسکتا ہے۔اگر جدید ترکی کا بانی مصطفیٰ کمال پاشا ترکی زبان کو عربی رسم الخط بجائے رومن رسم الخط میں رائج کرسکتا ہے اور پورے جذبے سے اُسے اپنی قوم کو سکھا سکتا ہے،تو پاکستانی قوم کو جدید اُردو خطِ نسخ سے روشناس کرانا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔صرف چند سالوں میں پوری قوم اِس نئے ترمیم شدہ اُردو خطِ نسخ کی عادی ہو جائے گی۔پاکستانی طالب علموں کے عام تعلیمی معیار کی بہتری اور اُردو زبان کی ترقی کے لیے یہ ایک انقلابی قدم ثابت ہوسکتا ہے۔شاید اِسی لیے ڈاکٹر عبدالرحمٰن بار کرنے پاکستانی طالب علموں اور عوام کی سہولت کے کہا تھا کہ پاکستان میں سب چیزیں (ترمیم شدہ اُردو) خطِ نسخ میں چھپنی چاہیے (۳۱) چنانچہ اُردو اور دیگر پاکستانی زبانوں مثلاً سندھی، سرائیکی، پشتو، بلوچی، براہوی، چترالی، بلتی اور کشمیری وغیرہ کے صوتیوں کو ہم آہنگ کرتے ہوئے اُن میں شامل مشترک صوتیوں کے لیے ایک جیسی علامات مروّج کی جائیں تاکہ اُردو اور دیگر پاکستانی صوتیوں کی آوازوں کی یکسانیت کی وجہ سے طالب علم اُردو لکھائی میں ابہام اور

تشکیک کا شکار نہ ہوسکیں۔ چونکہ اُردو ابجد میں شامل ہائیہ صوتیے مفرد آوازیں ہیں لہٰذا ترمیم شدہ اُردو خطِ نسخ میں عربی خطِ نسخ کی بجائے خطِ نستعلیق کے ہائیہ صوتیے استعمال کیے جائیں کیونکہ عربی زبان میں اِن کا وجود نہیں ہے۔ ہائیہ صوتیوں کو عربی خطِ نسخ میں لکھنے سے اُن کے مرکب ہونے کا مغالطہ ہوسکتا ہے۔ مڈل سکول کی سطح تک سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں میں پڑھایا جانے والا ہر قسم کا تدریسی مواد اور درسی کتب جدید اُردو خطِ نسخ میں شائع کی جائیں۔ اس سے پاکستانی طالب علموں اور غیر ملکی شائقین کو یکساں طور پر اُردو الفاظ کے جوڑ اور توڑ سمجھانے میں آسانی ہوسکتی ہے۔ جدید اُردو خطِ نسخ میں اُردو صوتیوں کی صرف ایک ادھوری شکل استعمال کی جائے۔ خطِ نستعلیق کی طرح اُردو الفاظ میں کسی اُردو صوتیے کی زیادہ اشکال ہرگز استعمال نہیں کی جانی چاہیے۔ اس سے چھوٹے بچوں کو الفاظ کے جوڑ کرنے میں دشواری پیش آسکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد عبدالرحمٰن بارکر، ڈاکٹر، پاکستان کے لیے رسم الخط، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، مرتبہ: شیما مجید، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ص ۳۷۱

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستان میں اُردو زبان کا مستقبل: روزنامہ جنگ کے زیر اہتمام مذاکرہ، میزبان: اختر سعیدی، مشمولہ: پاکستانی اُردو: مزید مباحث، مرتبہ: ڈاکٹر عطش درانی، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۲ء، ص ۲۰۲

۳۔ انتظار حسین، رسم الخط اور پھول، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۲۸۴

۴۔ ایضاً، ص ۲۸۶

۵۔ شان الحق حقی، رسم الخط کی اُلجھن، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۳۵۰

۶۔ نصیر احمد خاں، ڈاکٹر، اُردو لسانیات، اُردو محل پبلی کیشنز نئی دہلی، ۱۹۹۰ء، ص ۲۱۵

۷۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، لسانی مسائل، مکتبہ اسلوب کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۲۶۹

۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستان میں اُردو زبان کا مستقبل: روزنامہ جنگ کے زیر اہتمام مذاکرہ، ص ۲۰۲

۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، صورت و معنی کا رشتہ، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۳۳۱

۱۰۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، پاکستان میں اُردو زبان کا مستقبل: روزنامہ جنگ کے زیر اہتمام مذاکرہ، ص ۲۰۱

۱۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ناگری، رومن اور اُردو رسم الخط کا قضیہ، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۲۲۴

۱۲۔ بشیر احمد، میاں، اُردو رسم الخط کا مسئلہ، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۲۸۹

۱۳۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، کیا اُردو کا رسم الخط اِصلاح طلب ہے؟ مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۳۳۷

۱۴۔ آل احمد سرور، پروفیسر، اُردو تحریک، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۹۹ء، ص ۲۰۹

۱۵۔ مصطفیٰ علی بریلوی، سیّد، زبان اور رسم الخط، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۲۰۹

۱۶۔ شان الحق حقی، رسم الخط کی اُلجھن، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۳۴۳

۱۷۔ محمد صدیق، خواجہ، اُردو اور لاطینی رسم الخط، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۱۶

۱۸۔ محمد سجاد مرزا، پروفیسر، اُردو رسمِ خط، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۱۷۳

۱۹۔ بارکر، ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن، پاکستان کے لیے رسم الخط، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص ۳۷۱

۲۰۔ محمد دین تاثیر، ڈاکٹر، پاکستان اور اُردو، مشمولہ: قومی زبان کے بارے میں اہم دستاویزات، مرتبہ: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار و ڈاکٹر نسرین اختر، جلد دوم، حصہ اوّل، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۱۹۸

۲۱۔ مختار زمن، مترجم پروفیسر انور بیگ اعوان، بھارت میں قومی زبان کا نفاذ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص۲۴۰، ۲۴۱

۲۲۔ مختار زمن، مترجم، سیّد فیضی، قومی زبان کی پالیسی کے بارے میں چند خیالات، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص۲۴

۲۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، صورت و معنی کا رشتہ، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص۳۳۲

۲۴۔ آل احمد سرور، پروفیسر، اُردو تحریک، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۹۹ء، ص۲۱۰

۲۵۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، رسم الخط کا مسئلہ، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص۲۷۷

۲۶۔ ایضاً، ص۲۷۹

۲۷۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، کیا اُردو کا رسم الخط اِصلاح طلب ہے؟ مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص۳۳۹

۲۸۔ شان الحق حقی، رسم الخط کی اُلجھن، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص۳۵۳

۲۹۔ بشیر محمود اختر، مقدمہ، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص۱۱

۳۰۔ سیّد عبداللہ، ڈاکٹر، اُردو رسم الخط کی فلسفیانہ بنیادیں، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص۲۷۲

۳۱۔ پاکستان کے لیے رسم الخط، مشمولہ: اُردو رسم الخط: انتخاب مقالات، ص۳۷۳